ڈاکٹر ظہیر حسین اختر

مومن اور اس کی اصنافِ سخن

(آخری قسط)

رُباعیات

رباعی ایک ایسی صنف سخن ہے، جس کے لیے مضمون کی کوئی قید نہیں، بلکہ ہر وہ خیال جو دو شعروں میں مکمل طور پر بیان ہو سکے اس میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خیالات جو کسی مربوط نظم کا موضوع نہیں بن سکتے تھے اور نہ ہی ان کو دوسرے موضوعات کے ساتھ غزل کا جز بنانا مقصود ہوتا تھا، رباعی میں بیان کیے جانے لگے۔ عاشقانہ جذبات کے لیے غزل موجود تھی، دوسرے موضوعات کے لیے نظم اور قطعات جن میں اشعار کی تعداد پر پابندی نہ ہوتی تھی، موزوں تھے، لہٰذا رباعیات میں زیادہ تر وہ مختصر مطالب بیان کیے جانے لگے، جن سے شاعر کوئی اخلاقی نتیجہ برآمد کرنا چاہتا تھا، تاکہ دنیائے محسوسات سے کوئی مثال پیش کر کے اپنے نقطۂ نظر کو واضح کر سکے۔ اس طرح رباعیات، عارفانہ، حکیمانہ اور فلسفیانہ مطالب کے لیے مخصوص ہو گئیں۔

اس تمہید سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ رباعیات کے لیے جو جو موضوعات مخصوص ہیں، ان کے بیان کے لیے حکیم مومن خاں کی طبیعت کہاں تک موزوں تھی۔ اس کے علاوہ دو اشعار میں اختصار سے ایک بات کو مکمل طور پر بیان کرنے کے لیے زبان اور بیان پر جس قدرت کی ضرورت ہوتی ہے وہ مومن کی طبع رسا میں موجود تھی یا نہیں۔

مومن نے کم و بیش فارسی میں ۱۷ رباعیات کہی ہیں جو تمام تر مذہبی رنگ میں ہیں۔ جب مومن اپنی چشم بینا سے کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ دنیاوی عیش و نشاط ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، اس کی ہر چیز فنا پذیر ہے، اس لیے یہاں دل نہیں لگانا چاہیے اور اس جہان کے بحث و مباحثہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ مومن کو دنیا کی ناپائداری کا احساس لوگوں کو یوں دلاتا ہے:

بگذر بگذر ز بحثِ دنیا ہمہ ہیچ
حرف و رقم و دلیل و دعویٰ ہمہ ہیچ

مانند حروف مفردات است جہاں　　موجود بظاہر و بمعنی ہمہ ہیچ

مومن جب اپنی عاشقانہ اور رندانہ زندگی گزارنے کے بعد دیکھتا ہے کہ بہت گنہگار ہوگیا ہوں تو خدا تعالیٰ سے یوں استدعا کرتا ہے:

یارب با اجل گو کہ ز من جان ببرد　　مپسند کہ بندۂ تو حرمان ببرد
باقیست ہنوز شدم عصیان از دین　　دین نیز عجب نیست کہ شیطان ببرد

مومن کی زیادہ تر رباعیات میں خوفِ خدا، مذہب سے دلبستگی اور دینی رجحان اجاگر ہے۔ وہ اکثر رباعیات میں خداوند تعالیٰ سے اپنی بخشش اور مغفرت کی دعائیں مانگتا ہوا نظر آتا ہے چند رباعیات نمونے کے طور پہ درج کی جاتی ہیں:

یارب بخلاف کار کردیم و کنیم　　عصیان تو بی شمار کردیم و کنیم
از توبہ چہ حاصلم کہ دانم خود را　　ہر جرم ہزار بار کردیم و کنیم

یارب رخ امید رہائی بنما　　حیرت زدہ را چہ می نمائی بنما
چشم کرمی چیست بہ ارباب نظر　　این کور سواد را خدائی بنما

داد دل حسرت زدہ ام داد خدائی　　بخشود گرہ زکار بکشاد خدائی
برمن کہ فرشتہ در نباید ز سپہر　　ز کعبہ ترا باز فرستاد خدائی

یارب چہ کنم چو خاک بر سر نکنم　　کردم گنہ و نشد کہ دیگر نکنم
از بسکہ زحد گذشت عصیان ما را　　گر عفو کنی ز لطف باور نکنم

یارب بدرت سائل ما گمرہ نیست　　آن چیست کہ موجود درین درگہ نیست
گر ہر دو جہان خواستہ ام باید داد　　از طولِ امل دست کرم کوتہ نیست

پھر ایک جگہ مومن خدا تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے خدا! میں مغفرت کی دعا بھی تیرے حضور کس منہ سے کروں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرا کوئی جرم بھی ایسا نہیں جو قابلِ معافی ہو:

آگاہم و سرمست چہ خوابست امروز　　از روز شمار صد حساب است امروز
باجاہ جلال یکہ تو داری یارب　　ہر جرم سزاوارِ عذاب است امروز

مومن کہتا ہے کہ میں اپنے گناہوں کا حساب لگاتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں اور یوں محسوس کرتا ہوں

© rasailojaraid.com

کہ کثرتِ گناہ سے میری توبہ بھی بے اثر ہوگئی ہے :

از کثرتِ جرم توبہ ام بے اثر است — خون در رگِ من خشک ز دامان بر ہست
عصیانِ من از حدِ شمار است فزون — خود دوزخیم حساب رحمت دیگر است

مگر پھر بھی ناامید نہیں ہوتا اور خدا سے پیہم بخشش اور عفو کی دعا کرتا ہے :

یا رب نظری بچشم خونبارم کن — رحمی بدل سوختہ زارم کن
گر در خور آتشم بدوزخ مسپار — یک برق ز نارِ طور در کارم کن

مومن کی رباعیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی۔ چنانچہ کہتا ہے :

سودا بنگر کہ بہ تمنائی قبول — احرام مدینہ بست سرخیل جہول
یا رب من بدنہاد آرم ز کجا — جانی کہ بود در خور ایثارِ رسول

مومن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر پورا بھروسا ہے۔ اس لیے وہ تمام لہو و لعب اور گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے کرتے پکار اٹھتا ہے :

ای مہر پسر نہادہ در جان پدر — الطاف رسولت ز پدر افزون تر
فرزندم شفاعطا کن کہ بحشر — کافی است مرا شفاعتِ پیغمبر

باین ہمہ کبر و نخوت شیطانی — باین ہمہ سرکشی و نافرمانی
لطفی، کرمی نہ سختیِ تعذیری — از امتِ مرحومہ ام و میدانی

یا رب روزی کہ نیک و بد را طلبی — امید نجات نیست از بوالعجبی
دانم کہ جہان جہان گناہم چہ بود — در پیشِ شفاعتِ رسولِ عربی

پھر مومن رباعیات میں اپنے علم و ادراک کی بے مائگی اور گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور انسان کو گردونِ گرداں کے ہاتھوں بے بس و مجبور قرار دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور رو کر کہتا ہے کہ اے خدا! تو نے خود ہی تو ہمیں اس گناہ آلود دنیا میں بھیجا ہے اور جو کچھ ہماری تقدیر میں لکھا ہے، ہم اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پھر اگر ہم گناہ کرتے ہیں تو ہمیں اپنے کرم و بخشش سے محروم نہ رکھو، کیونکہ ہم تیرے ہی بندے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاکیم ز درگاہِ بدر افتادہ خاریم ز باغ دور تر افتادہ
بر ہر کہ نگہ کنی بحسرت نگرم مانند غلام از نظر افتادہ
محرومی بندہ ات خدایا مپسند مجبور چہ اینجا و چہ آنجا مپسند
پیشِ کرمت نعیم جنت خود چیست مارا بہ ہمین عشرتِ دنیا مپسند

مومن کی رباعیات میں جو چیز کھٹکتی ہے وہ تکرار ہے۔ ایک ہی موضوع کو بار بار پیش کیا گیا ہے، جس سے اکثر قارئین اُکتا جاتے ہیں اور بعض جگہ تو صرف الفاظ کے ہیر پھیر سے کام لیا گیا ہے مثلاً ان دو رباعیات میں ملاحظہ ہو:

آزار و نشاطِ زندگانی ہمہ ہیچ سرتاسر این طلسمِ فانی ہمہ ہیچ
دانم ہمہ ہیچ و چون از نیم ہیچم دانی ہمہ ہیچ ورنہ دانی ہمہ ہیچ
بگذر بگذر ز بحثِ دنیا ہمہ ہیچ حرف و رقم و دلیل و دعویٰ ہمہ ہیچ
مانند حروفِ مفردات است جہان موجود بظاہر و بمعنی ہمہ ہیچ

دو اور رباعیات ملاحظہ ہوں جن میں صرف ردیف کی ذرا سی تبدیلی ہے:

داری بفراق بیقرارم تا کَے خواہی بعذاب انتظارم تا کَے
دریاب بلب رسیدہ جانِ زار دریاب تا کَے نرسی بحالِ زارم تا کَے
ای مایۂ نازِ ناز تا آخر تا کَے دبن خوی جگر گداز آخر تا کَے
جانم بجفائی توچہ کوتاہی کرد ای عمر غمت دراز آخر تا کَے

مومن کی رباعیات میں ہیئت کے اعتبار سے تکرار ایک خامی ہے۔ وہ لفظی تکرار پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ معمولی ردیف یا قافیہ بدل کر پوری رباعی کو دوبارہ دہرا دیتا ہے۔ بلاتردید یہ چیز ایک عظیم شاعر کی عظمت کے خلاف ہے۔ لیکن چونکہ یہ رباعیات مومن نے اس زمانے میں کہی ہیں جب اول تو ذوقِ فارسی ختم ہو چکا تھا اور اس کے بے جان قالب کو کسی اسرافیل کی ضرورت تھی جو صور پھونک کر فارسی کے مردہ جسم کو دوبارہ زندہ کرتا۔ دوسرے خود مومن کی زندگی کے آخری ایام تھے اور وہ دنیا کی لہو و لعب سے کنارہ کش ہو کر خدا کی طرف رجوع کر چکا تھا، حافظہ بھی کمزور ہو چکا تھا، اس لیے مومن فارسی رباعیات کو سنوارنے اور ان میں بوقلمونی پیدا کرنے کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا تنقید کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

قصیدہ

مومن کے قصائد کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر قصیدہ گو شاعر نہ تھا۔ اس کا اصل میدان غزل تھا۔ اس کے فارسی دیوان میں چھ قصائد ملتے ہیں جو کسی دنیا دار کی تعریف میں نہیں بلکہ دوسرے اکثر شعرا کے برعکس حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں نعتیہ رنگ میں کہے ہیں، اور ایک قصیدہ اپنے روحانی پیر حضرت احمد شہید بریلوی کی مدح میں کہا ہے۔ انعام و اکرام کی خاطر اس نے کبھی کوئی قصیدہ نہیں کہا اور نہ کبھی کسی دربار سے وابستگی پیدا کی۔ اس کی بڑی وجہ اس کی طبیعت کا استغنا، خودداری اور مذہب سے وابستگی تھی۔ ایک کامیاب قصیدہ گو کے لیے جس ذہنیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ مومن میں مفقود نظر آتی ہے۔ مومن نے ناصر خسرو علوی کی طرح الفاظ دری کے جواہر پاروں کو شاہانِ نافہم کی نذر نہیں کیا:

من آنم کہ در پای خوکان نریزم   مر این قیمتی در لفظ دری را[۱]

مومن قصائد میں عرفی سے بہت متاثر ہے، جس کا ذکر وہ خود بھی اپنے قصیدے میں کرتا ہے:

مومن شدہ ہمزبان عرفی   از بہر امان آفرینش

چنانچہ مومن نے تمام تر قصائد شیراز کے اسی زبردست شاعر کی پیروی میں کہے ہیں۔ جہاں تک عرفی کے زورِ کلام اور رفعت فکر کا تعلق ہے، اس میں شک نہیں کہ مومن اس کے پایہ کو نہیں پہنچتا، مگر جہاں تک مضمون آفرینی، دقتِ نظر اور ندرتِ تخیل کے ربط کا تعلق ہے، مومن نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ قصائد میں ایک اعلیٰ معیار پیش کرے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں ہر دو شعرا کے قصائد کے مطلعوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ البتہ قارئین کا ذوقِ سخن سنجی جزو سے کل تک دلالت کر سکتا اور قصیدہ سرائی میں مومن کے اصلی مقامِ ادبی کو درک کر سکتا ہے۔

عرفی شیرازی کے اس معروف قصیدے کی تقلید میں:

جہان بگشتم و دردا بہیچ شہر و دیار   نیافتم کہ فروشند بخت در بازار[۲]

---

[۱] ناصر خسرو علوی

[۲] قصائد عرفی ص ۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مومن یوں طبع آزمائی کرتا ہے:

کجا شد آنکہ ز انظار لطف لیل و نہار　　بلا بخواب عدم بود و طالعم بیدار [۵۳]

عرفی کے اس قصیدے کی پیروی میں:

ای مہر تو جان آفرینش　　نعت تو زبان آفرینش [۵۴]

مومن یہ قصیدہ کہتا ہے:

ای جسم تو جان آفرینش　　جان تو جہان آفرینش [۵۵]

عرفی کے اس قصیدہ کے تتبع میں:

دمیکہ لشکرِ غم صف کشد بخونخواری　　دلم بنالہ دہد منصبِ علمداری [۵۶]

مومن یوں قصیدہ سرا ہوتا ہے:

سرِ وصال عدو دارد وز عیاری　　چنان رود ز برمن کہ کس بنا چاری [۵۷]

پھر عرفی کے اس قصیدے کا

در صبحدم کز و دریچۂ ادراک　　گذشتم بسباختِ افلاک [۵۸]

مومن نہایت پختگیٔ فکر اور جلالتِ لفظ کو ملحوظ رکھ کر جواب دیتا ہے کہ پڑھنے والا واقعی اس کی عظمتِ شعر کا اعتراف کرتا ہے:

گر چنین است گردشِ افلاک　　زود چون گنج میروم در خاک [۵۹]

قطعاتِ تاریخ گوئی

مومن کے فارسی دیوان میں غزلیات، قصائد اور رباعیات کے علاوہ قطعاتِ تاریخ بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ تاریخ گوئی میں مومن کو کمال حاصل تھا۔ وہ تاریخیں نئے نئے طریقوں سے

---

۵۳ دیوانِ مومن، ص ۵
۵۴ قصائد عرفی، ص ۲۴
۵۵ دیوانِ مومن، ص ۱۸
۵۶ قصائد عرفی، ص ۲۷
۵۷ دیوانِ مومن، ص ۱۲
۵۸ قصائد عرفی، ص ۴۴
۵۹ دیوانِ مومن، ص ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکالتا تھا۔ مومن نے ویسے تو اربابِ دنیا کی تعریف میں کچھ نہیں کہا مگر جب اپنے حلقۂ احباب میں بیٹھتا ہے تو دوستوں کے مجبور کرنے پر اُن کے مختلف تعمیری کاموں کی تعریف میں قطعۂ تاریخ کہہ دیتا ہے۔ مثلاً مومن کے ایک بہت ہی قریبی اور جگری دوست تفضل حسین خان ایک کنوئیں کی تعمیر کرتے ہیں تو مومن خوش ہو کر قطعۂ تاریخ کہتا ہے:

پئے سال تعمیرِ این چاہ پاک — کہ دلو آبش بود ملتمین
رقم کرد مومن کہ نابود شد — عطشش ہا زبہ تفضل حسین

پھر جب تفضل حسین خان اپنا نیا مکان بناتا ہے اور ایک نیا باغ لگواتا ہے تو مومن مسرور ہو کر تاریخ کہتا ہے:

بنا کرد قصری تفضل حسین — کہ از قلعہ آسمان محکم است
چہ خرم مکانی کہ تاریخ آن — نباشد تماشا کہ عالم است

یہ قطعات واضح کرتے ہیں کہ مومن کو اپنے دوست کے ساتھ کتنی دلبستگی تھی۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں اس کی خوشی میں شریک ہوتا تھا۔ مگر جب یہ دوست دہلی سے ہجرت کر گیا تو مومن کو اس کا نہایت صدمہ ہوا، اور اس کا قطعہ تاریخ کہا:

جہان فضل تفضل حسین خان ناگاہ — جدا شد از من و گشتم غریب ہم بدیار
شنید مومن و زین غصہ آہ پیہم زد — دو لیست بود چو اندیشہ ام گرفت شمار
بگفتمش کہ بہر حرف تست مضمونی — تو شاعری نبود آہ و نالہ ات بیکار
مگر بطرز نوی گفتہ باشی این تاریخ — نگفت ہیچ مگر زد دششش آہ دیگر بار

مومن ایک مذہبی شاعر تھا اس لیے جب کہیں نئی مسجد بننے کی خبر سنتا تو خوش ہوتا۔ کیونکہ اس کا زمانہ افراتفری کا تھا اور انگریزوں کے غلبے نے مسلمانوں کے روحانی و مذہبی جذبات تقریباً کچل دیئے تھے، اس لیے مومن مسجدوں کی تعمیر میں بڑی خوشی کا اظہار کرتا۔ اکثر مساجد جو اس زمانے میں بنائی گئیں مومن نے ان کے قطعاتِ تاریخ کہے، جن میں سے چند درج ہیں:

حمید الدین بنائی مسجدی کرد — بسی محکم تر از بنیاد افلاک
برائی سال تعمیرش بایمان — رقم کردم عبادت خانۂ پاک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسجدی پاک بنا عبد اللہ — طرح بنہاد زہی نیک نہاد
پئی سالش سر مردم سوئی حبیب — آنچنان رفت کہ در خاک فتاد
دیدہ در سجدہ سر اہل نماز — گفت دل خانۂ تقویٰ بنیاد

طرح چون مہربان علی بنہاد — سجدہ گاہی بلند و مستحکم
سال این بی نظیر بیت اللہ — کرد مومن نظیر کعبہ رقم

بنائی مسجدی اسلام خان کرد — بطوفش قدس را احرام باشد
زہی مسجد کہ تاریخ بنائش — عبادت خانۂ اسلام باشد

مسجدی ساختہ عتیق اللہ — واہ چہ خوش سجدہ گاہ کعبہ مثال
گفت بیت العتیق از سر صدق — سال تعمیر عقل فرخ فال
بحساب حروف ملفوظی — گر توانی رسید یابی سال

مومن کو اپنی اولاد سے بے حد لگاؤ اور پیار تھا، اس لیے بچہ گھر میں پیدا ہوتا تو مومن کو بڑی مسرت ہوتی اور ان کی تاریخیں کہتا۔ اس کے ہاں کئی بیٹے پیدا ہوئے مگر جلد ہی داغِ مفارقت دے گئے۔ مومن نے ہر ایک کا قطعۂ تاریخ کہا:

مادر خوبی پدر گلاب است — فرزند گل جنان خوبی
تاریخ تولدش نوشتم — تو بادۂ گلستان خوبی

خلقی دادہ اند مومن را — کہ سزاوار دولت و رشد است
گر تو سال ولادتش پرسی — گل گلزار دولت و رشد است

چو زائید فرخندہ خانم پسر — مدد جستم از حافظ غیب دان
پئی سال تاریخ میلاد گفت — کہ فرزند فرخندہ بی عیب دان

منور بخت را دادند پوری — کہ از روئش منور شد مقامش
مرا اختر شناسی کرد تعلیم — جہان اختر بود تاریخ و نامش

مومن نے اپنے ایک بیٹے کی وفات پر قطعۂ تاریخ یوں کہا:

جگر گوشۂ ما بہ کنج لحد — امان از جہانِ پر آفات یافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو سال اندر آغوشِ مام و پدر — ستم دید و یاس مکافات یافت

پھر دوسرے بیٹے کی تاریخ وفات بھی کہی :

چو فرزند اکرم گزشت از جہان — پدر مبتلا شد بصد رنج و غم
برآورد دم از زندگی سال فوت — ز شش سال و شش ماہ و یک سال کم

بعض جگہ مومن اپنے عزیز دوستوں کے ہاں بیٹے کی ولادت کے موقع پر بھی تاریخیں کہہ کر ان کی خوشی میں شریک ہونے کی کوشش کرتا۔ مثلاً نواب مصطفیٰ خان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو مومن نے اس کا قطعۂ تاریخ کہا۔

اسی طرح محمد تقی خان کے بیٹے کا قطعۂ تولد کہا۔

منصور علی خان کے بیٹے کا قطعۂ تاریخ تولد کہا۔

پھر جب اپنے مخلص دوست تفضل حسین خاں کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی خبر سنی تو اس کا قطعۂ تاریخ بھی کہا :

مومن کو جب کوئی واقعہ زیادہ متاثر کرتا تو اس کی تاریخ کہتا۔ چنانچہ جب انگریزوں نے کابل پر حملہ کیا اور شکستِ فاش کھائی تو مومن نے کابل کی فتح پر اکثر قطعاتِ تاریخ کہے۔ ملاحظہ ہوں :

یا ربابِ ایمان در آویختند — ز بس کافران ہزیمت نصیب
برآورد سر مومن و گفت — کہ نصر من اللہ فتح قریب

بخواری ز کابل برون آمدند — چو کفارِ ملعون ذلت قرین
ز دی یورش سال تاریخ فتح — ملک گفت فضل علی المومنین

اس کے علاوہ مومن کے فارسی دیوان میں تمام تاریخیں ان کے دوستوں، عزیزوں اور شاہان مغلیہ کی وفات کے موقع پر کہی گئیں ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں۔

مومن نے اپنے والد کی تاریخ وفات لکھی۔ پھر اپنی عمہ کی تاریخ وفات کہی۔ مومن نے خود اپنا قطعہ تاریخ وفات بھی کہا ہے :

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا — خود با خروش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ باید گفت تاریخ این مصیبت — گفتا خموش گفتم بشکست دست و بازو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرضیکہ مختلف نوعیت کے ۸۹ قطعات تاریخ مومن کے فارسی دیوان میں موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ مومن فن تاریخ گوئی میں ماہر تھا۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"تاریخ گوئی میں ہمیشہ تعمیہ اور تخرجہ معیوب سمجھا جاتا ہے مگر مومن کی طبع رسا نے اسے محسناتِ تاریخ میں داخل کر دیا۔"

مرثیہ

مومن کے فارسی کلام میں باقاعدہ تو مرثیہ نگاری کا عنصر نہیں ملتا مگر دیوان فارسی کے مطالعہ کے دوران ایک ایسا مرثیہ نما قطعہ نظر آیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ ضرور مومن نے اپنی محبوبہ کے غم میں کہا ہے۔ اگرچہ اس کا ذکر بھی کسی تذکرے میں نہیں ملتا لیکن یہ مرثیہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ یہ مومن ہی کے دل کی آواز ہے جو زخمی اور خون میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ مرثیہ امۃ الفاطمہ بیگم ہی کا ہو جس کو مومن کے عشق نے دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور مومن کے اکثر اشعار سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ امۃ الفاطمہ نے خودکشی کر لی تھی۔ بہرحال دہلی سے جانے کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اس لیے مومن کو ہجر میں تڑپنا، خاک و خون میں لوٹنا اور آنسو بہانے پڑے۔ یہی وجہ غالباً مومن کو ایسا دردناک مرثیہ لکھنے پر اکساتی ہے۔ مرثیہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تا رفتہ است دلبرِ من از دیارِ من — از دردِ غم بحالتِ مُردن رسیدہ ام
آن آہوئے حرم کدہ و حُسن یوسفی — از من رمیدہ است و من از خود رمیدہ ام
ہمراہ او نرفتہ ام از پاسِ عرضِ اُو — تا آنکہ راہِ دشت و بیابان بریدہ ام
جلادِ نیم کُشتہ ز بالین من گذشت — خون بادِ جذبِ دل کہ بخون در طپیدہ ام
ای تیرہ رُو سپہر رُخ مہر و ماہ سیاہ — دیدی کہ روئ اُو دمِ رفتن ندیدہ ام
نی گفتہ ام بہ یار غمِ دل گداز خویش — نی حرف جان فزا ز لب اُو شنیدہ ام
سوزم بداغِ ہجر ہمانا دل خودم — غلطم بخاک و خون مگر اشک چکیدہ ام
پژمردہ غنچہ ایست گلِ اخترم کہ گاہ — از باغِ آرزو گل وصلی نہ چیدہ ام
نازم بہ سخت جانیِ خود زندہ ام ہنوز — با آنکہ زہرِ تلخیِ ہجران چشیدہ ام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برپا قیامتی شد و جانم ز تن نرفت — صد بار صور نالہ و افغان دمیدہ ام
واماندہ ام کجا است مقام توای اجل — صد رہ بہ جستجوی تو ہر سو دویدہ ام
یارب چہ شاعری و چہ سنگین دلی است این — گاہی ز ہیچ کس نہ شنیدم نہ دیدہ ام
بی درد مومن از پی تاریخ سر بجیب — برواست و من ز درد گریبان دریدہ ام
تاریخ و تخرجہ بخیالش رسید و من
در سینہ چاک از غم دوری کشیدہ ام

طِبّ العرب : ایڈورڈ جی براؤن ۔ ترجمہ : حکیم سید علی احمد نیّر واسطی

فاضل مستشرق ایڈورڈ جی براؤن نے لندن کے رائل کالج آف فزیشنز میں ۱۹۱۹ اور ۱۹۲۱ میں طب عربی پر چار فاضلانہ خطبات دیے، جو بعد میں عربیین میڈیسن کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

پروفیسر براؤن نے اپنے ان چار خطبات کے ذریعے طبی ادب، عربی علم طب اور تاریخ علم طب پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ خطبات علمی دنیا میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے کئی ترجمے بھی شائع ہوئے۔

حکیم سید علی احمد نیّر واسطی نے اس مجموعۂ خطبات کا انگریزی سے سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ کیا اور جابجا اپنی جانب سے مفید تشریحات اور علمی، فنی و تاریخی تنقیدات کا اضافہ کیا۔ اپنی تشریحات اور تنقیدات میں فاضل مترجم نے نہایت قابلیت کے ساتھ جابجا پروفیسر براؤن کے بیانات کی محققانہ تشریح و توضیح کی ہے۔

صفحات : ۵۵۲ — قیمت : ۴۲ روپے

(ملنے کا پتا)

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com